جلد ۱۲ — فتح ۱۳۵۰ ہش — شمارہ ۱۲
دسمبر ۱۹۷۱ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت آٹھ روپے
دیگر ممالک ۱ پونڈ

فی پرچہ پچھتر پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصار اللہ ربوہ

فتح ۱۳۵۰ ہش

ذیقعدہ ۱۳۹۱ ہجری دسمبر ۱۹۷۱ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

چندہ سالانہ
آٹھ روپے

فی پرچہ
پچھتر پیسے

فہرست مضامین

پبلشر: چوہدری محمد ابراہیم ۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ ۔ مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ انصار اللہ دار الصدر جنوبی ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۱۲ ○ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ ○ شمارہ ۱۲

دسمبر ۱۹۷۱ء

ظالم قوموں کو سزا دینے سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ایک قدیم سُنّت

کہ قلیل التعداد اور کمزور مظلوموں کے ذریعہ اُن کی سرکوبی کراتا ہے

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی ایک سنّت ہے کہ جب کوئی قوم طاقت کے بل پر دُنیا میں ظلم کا بازار گرم کر کے فساد پھیلانے سے باز نہیں آتی اور اس کی فساد انگیزی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو وہ بسا اوقات مظلوموں کو ایک نیا دِل نیا حوصلہ نئی ہمّت اور نئی قوت و طاقت عطا کر کے اُنہیں کے ذریعہ اُس ظالم قوم کو اس کے ظلم کا مزہ چکھاتا ہے اِس طرح اُنہیں قلیل التعداد اور کمزور لوگوں کے ہاتھوں اس ظالم قوم کی سرکوبی عمل میں آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی اِس سنّت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ○ (البقرہ آیت ۲۵۲)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ اِنسانوں کے (شرارت) سے باز آنے کا انتظام نہ کرتا اور بعض انسانوں کو بعض دوسرے انسانوں کے ذریعہ ظلم سے نہ روکتا تو زمین میں فساد برپا ہو کر رہ جاتا اور زمین تہ و بالا ہو جاتی۔ لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے اس لئے وہ بالآخر فساد کو مٹا کر رہتا ہے۔

اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام کے سینکڑوں برس بعد بنی اسرائیل کو ایک طاقتور بادشاہ جالوت اور اس کی قوم نے ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور اس قوم کی فساد انگیزی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ انہیں ایک ایسا بادشاہ عطا کرے جو انہیں اس ظالم قوم کے مظالم سے نجات دلاکر زمین سے فساد کو دُور کر دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا قبول کرتے ہوئے طالوت کو بادشاہ بناکر اس کام کے لئے کھڑا کیا اور اس امر کی اطلاع نبیٔ وقت کے ذریعہ سے ان کو دی چنانچہ اُس نبی نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا :۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ آیت ۲۴۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے (یعنی طالوت کو) تم پر یقیناً فضیلت دی ہے اور اسے علمی اور جسمانی لحاظ سے تم سے زیادہ فراخی عطا کی ہے اور اللہ جسے پسند کرتا ہے اسے اپنا ملک عطا کرتا ہے۔ اور اللہ کشائش دینے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ طالوت کے بادشاہ بننے کے بعد بنی اسرائیل میں اتنی ہمت اتنی طاقت اور اتنا حوصلہ کیسے پیدا ہوگا کہ وہ ایک طاقتور ظالم قوم کا مقابلہ کرکے اُس کے ظلم کا سدّباب کر سکیں سو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے نبیٔ وقت کے ذریعہ یہ دیا کہ :۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (البقرہ آیت ۲۴۹)

یعنی ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کی حکومت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمہیں ایک تابوت ملے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین ہوگی اور اس چیز کا بقیہ ہوگا جو موسیٰ کے متعلقین اور ہارون کے متعلقین نے اپنے پیچھے چھوڑا۔ فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اگر تم مومن ہو تو اس بات میں تمہارے لئے یقیناً ایک بڑا نشان ہے۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تفسیر صغیر اور تفسیر سورۃ البقرہ میں واضح فرمایا ہے کہ تابوت کے عام معنے تو صندوق اور کشتی کے ہوتے ہیں لیکن مفردات راغب کی رو سے **تابوت** کے لفظ کو دِل کے معنے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے اس آیت کے بموجب بنی اسرائیل کے نبی نے انہیں یہ بتایا کہ طالوت کے برسرِ اقتدار آنے کے نتیجہ میں تمہیں ایسے دِل عطا کئے جائیں گے جو سکینت سے معمور

ہوں گے اور فرشتے تمہیں قربانیوں پر ابھاریں گے اور تمہیں ڈھارس دیں گے اور تم ان خوبیوں کے وارث ہو گے جو آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے چھوڑی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ طالوت کی حکومت میں تم ظالم قوم کے ساتھ مقابلہ کرتے اور اس طرح اس کے ظلم کا سدّباب کرنے کے قابل ہو جاؤ گے

چنانچہ جب طالوت نے انہیں منظم کر کے لشکر ترتیب دیا اور وہ انہیں ظالم قوم کے مقابلہ میں لے کر نکلا تو اُس نے ان کے سامنے ایک امتحان رکھا اور کہا جو اس امتحان پر پورے اتر پائیں گے وہی تعداد میں قلیل ہونے کے باوجود کثیر التعداد اور کئی گنا زیادہ طاقتور دشمن کے ساتھ مقابلہ میں کامیاب ہوں گے اور جو اس امتحان میں کامیاب نہ ہوں گے اُن کا اِس نتیجہ میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔ جو لوگ اس امتحان میں پورے نہ اتر سکے وہ ہمّت ہار بیٹھے اور انہوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ ان میں ظالم قوم کے بادشاہ جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن جو لوگ اس امتحان میں پورے اترے انہوں نے تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود طالوت کا ساتھ دینے اور جالوت کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا اور کہا ہم اگر تعداد اور طاقت میں تھوڑے ہیں تو کوئی پروا نہیں کیونکہ پہلے خدا کے حکم سے تھوڑی تعداد والے بڑی تعداد والوں پر غالب آتے رہے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ طالوت اور اس کے ساتھیوں اور ان کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (البقرہ آیت ۲۵۰)

یعنی پھر جب طالوت اپنی فوجوں کو لے کر نکلا تو اُس نے کہا کہ اللہ ایک ندی کے ذریعہ سے یقیناً تمہارا امتحان لینے والا ہے پس جس نے اس نہر میں سے پیٹ بھر کر پانی پی لیا وہ مجھ سے وابستہ نہیں رہے گا اور جس نے اس سے نہ چکھا وہ یقیناً مجھ سے وابستہ ہو گا سوائے اس کے جس نے اس میں سے فقط اپنے ہاتھوں سے ایک چلّو لے کر پی لیا کہ اس پر کوئی الزام نہ ہو گا۔ پھر ہوا یہ کہ ان میں سے چند ایک کے سوا باقی نے اس میں سے پانی پی لیا پھر جب طالوت خود اور نیز وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اس ندی سے پار اتر گئے تو انہوں نے کہا آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کی بالکل طاقت نہیں۔ مگر جو

لوگ یقین رکھتے تھے کہ وہ ایک دن اللہ سے ملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ بہت سی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آچکی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے پس ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے طالوت کے ساتھیوں کے امتحان کے طور پر نہر سے پانی پینے کا ذکر کیا ہے انہیں نہر سے پانی پینے سے منع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تفسیر صغیر میں واضح فرمایا ہے "نَہَر" کے معنے ندی کے بھی ہوتے ہیں اور وسعت و فراخی کے بھی۔ موخرالذکر معنوں کی رو سے طالوت نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ تمہارا امتحان مال و دولت سے لیا جائے گا۔ اگر تم مال و دولت کے پیچھے پڑ گئے تو تم خدائی حکم پر عمل پیرا نہ ہوتے ہوئے جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ نہ کر سکو گے اور اگر تم مال و دولت سے متاثر نہ ہوئے تو تم تعداد میں خواہ کتنے ہی تھوڑے کیوں نہ ہو اپنے ظالم اور طاقتور دشمن پر تم ہی غالب رہو گے اور فتح تمہیں ہی نصیب ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ جو دُنیا کے لالچ میں پھنس گئے وہ ہمت ہار بیٹھے اور انہیں قربانیاں پیش کرنے کی توفیق نہ ملی۔ برخلاف اس کے جنہوں نے مال و دولت کے لالچ کو اپنے قریب نہ آنے دیا تعداد میں تھوڑے ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں ایسی سکینت نازل فرمائی اور وہ حوصلہ اور ہمت و طاقت انہیں عطا فرمائی کہ وہ طالوت کی معیت میں اپنے سے بہت زیادہ طاقتور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مرنے اور مارنے کے لئے تیار ہو گئے اور ان کے دل اِس یقین سے بھر گئے کہ اگر ہم تعداد میں تھوڑے ہیں تو کیا ہؤا۔ جب خدا ہمارے ساتھ ہے اور اس کی تائید و نصرت ہمارے شامل حال ہے تو تعداد میں بہت ہی کم ہونے کے باوجود اُس کے فضل سے ہم ہی فتح یاب ہوں گے

مقابلہ کا پورا عزم کرنے کے بعد انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ حسب استطاعت پوری پوری تیاری کرنے کے علاوہ اللہ تعالےٰ کے حضور حصول نصرت الٰہی اور اپنی فتح و کامیابی کے لئے دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اُن کی اِس تیاری اور دعاؤں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ٥ (البقرہ آیت ۲۵۱)

یعنی جب طالوت اور اس کے قلیل التعداد ساتھی جالوت اور اس کی کثیر التعداد فوجوں کے مقابلہ کے لئے نکلے تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم پر قوتِ برداشت نازل کر اور میدانِ جنگ میں ہمارے قدم جمائے رکھ اور ان کافروں کے خلاف ہماری مدد کر اُن کی یہ دعائیں قبول ہوئیں اور اللہ تعالےٰ نے اُن کی قربانیوں کا بدلہ دینے کے لئے اور ان کے اخلاص کی قدر کرنے کے لئے فیصلہ کیا کہ ان قلیل التعداد اور مخلص اور وفا شعار لوگوں کے ہاتھوں جالوت کے کثیر التعداد لشکر ذلّت آمیز شکست اٹھائیں اور یہ کمزور اور بے سروسامان لوگ ہی فتح یاب ہوں۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ طالوت کے ساتھیوں کی تعداد صرف

تین سو تھی جب کہ جالوت کا لشکر ہزار ہا ہزار پر مشتمل تھا۔ جنگ ہوئی اور بڑی شدید جنگ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جالوت مارا گیا اور اس کے لشکر جرار کو طالوت اور اس کے مٹھی بھر ساتھیوں کے ہاتھوں كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ کے مطابق شکست اٹھانا پڑی اور غلبہ طالوت اور اس کے ساتھیوں کو ہی حاصل ہوا۔

طالوت اور جالوت کے اس مقابلہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس لئے کیا کہ تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کو توجہ دلائے کہ اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کے باوجود تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور حملہ آور دشمنوں کا مقابلہ کرو اور دنیا میں نیکی اور تقویٰ پھیلاؤ کیونکہ بحر و بر میں فساد برپا ہو چکا ہے اور اس امر کو یاد رکھو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جالوت کے مقابلہ میں طالوت کی مدد کی تھی اسی طرح مظلوم ہونے کی وجہ سے اب اُس کی معجزانہ نصرت تمہارے لئے ظاہر ہو گی کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا تباہ ہو جائے اور امن کبھی قائم نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے طالوت اور جالوت اور اسی طرح داؤد اور ان کے وقت کے جالوت کے واقعات بیان کرنے کے بعد ان کے آخر میں فرمایا:-

تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (البقرہ آیت ۲۵۳)

یعنی یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم تجھے پڑھ کر سناتے ہیں اس حالت میں کہ تو حق پر قائم ہے اور تو یقیناً رسولوں میں سے ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ طالوت اور داؤد کے واقعات جنہوں نے اپنے اپنے وقت کے جالوت اور اس کے زبردست لشکروں سے مقابلہ کر کے ان پر فتح حاصل کی ہم نے قصہ کے رنگ میں بیان نہیں کئے بلکہ یہ پیشگوئیاں ہیں جن کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کے ساتھ بھی یہی واقعات پیش آنے والے ہیں اور ان کو بھی وہی تائید و نصرت حاصل ہو گی جو پہلے انبیاء علیہم السلام کو حاصل تھی اور اس طرح دنیا پر ظاہر ہو جائے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے فرستادہ اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صرف سابقہ انبیاء کو ملنے والی تائید و نصرت کا ہی ذکر نہیں فرمایا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی کثرت سے یہ بشارات دیں کہ قلیل التعداد اور بے سروسامان ہونے کے باوجود آپؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ سراسر ظلم کی راہ سے حملہ آور ہونے والے کثیر التعداد اور طاقتور دشمن پر غالب آئیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہاں تک بشارت دی کہ:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ (الانفال آیت ۶۶)

یعنی اے نبی! مومنوں کو (بار بار حملہ آور ہونے والے ظالم کافروں سے) لڑنے کی بار بار زور سے تحریک کرتا رہ۔ اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہنے والے مومن ہوں گے تو وہ دوسو کافروں پر غالب آجائیں گے اور اگر سو ثابت قدم رہنے والے مومن ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے کیونکہ یہ کافر ایسی قوم ہے جو اور کچھ سمجھتے ہی نہیں،

اسی طرح جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے قلیل التعداد اور بے سروسامان صحابہؓ کی کثیر التعداد اور طاقتور کفار کے بالمقابل جس طرح مدد کی اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ
مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ
هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ
اللَّهُ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ لِيَقْطَعَ
طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ (آل عمران آیات ۱۲۵ تا ۱۲۸)

یعنی اُس وقت کو بھی یاد کر جب تو مومنوں سے کہہ رہا تھا کہ کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہ ہوگی کہ تمہارا رب آسمان سے نازل کئے ہوئے تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے۔ کیوں کافی نہ ہوگی! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ کافر تم پر اسی دم چڑھ آئیں تو تمہارا رب پانچ ہزار سخت حملہ کرنے والے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور اللہ نے یہ بات صرف تمہارے لئے خوشخبری کے طور پر اس لئے کہ تمہارے دل اس کے ذریعہ سے اطمینان پائیں مقرر کی ہے اور اس لئے مقرر کی ہے کہ تا اللہ کافروں کے حصّہ کو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کردے تاکہ وہ ناکام واپس جائیں۔ ورنہ مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِن وعدوں اور بشارتوں کے بموجب قلیل التعداد اور بے سروسامان صحابہؓ ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ میں اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور اور کثیر التعداد کفار کے لشکروں پر فتح یاب ہوتے رہے اور بعد میں قیصر و کسریٰ کی افواج کے ساتھ مقابلوں میں مسلمانوں نے دس گنا چھوڑ اپنے سے اسّی اسّی اور سو سو گنا دشمنوں کو شکست دی اور اس طرح كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ کا خدائی وعدہ ان کے حق میں بڑی شان کے ساتھ پورا ہوتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بار ہی فرشتوں کی فوجوں کو آسمان سے نازل کر کے مسلمانوں کی مدد کی اور انہیں ہمیشہ ہی فتح یاب کیا۔

آج پاکستان جن انتہائی نازک حالات میں سے گزر رہا ہے اور بھارت نے اپنی ظاہری طاقت اور کثرت تعداد

کے گھمنڈ میں سراسر ظلم کی راہ اختیار کرتے ہوئے اُس پر حملہ آور ہو کر اُس کی سالمیت ہی نہیں بلکہ اُس کے وجود کے لئے جو زبردست خطرہ پیدا کر دیا ہے وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم ان اوصاف سے پوری طرح متصف ہوں اور رہیں جن سے طالوت کے مخلص وفاشعار ساتھی متصف تھے اور جن سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے بدرجہ اولیٰ اور بے مثال طریق پر اپنے آپ کو متصف کر کے اپنے سے کئی گنا بڑے اور طاقتور دشمنوں پر فتح پائی۔

وہ اوصاف یہی ہیں کہ ہم فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ کو فراموش نہ کرتے ہوئے دنیوی اموال اور دُنیا کی لذات اور نفسانی خواہشات کے غلام نہ بنیں بلکہ ان تمام چیزوں سے دامن بچاتے ہوئے تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہوں پر قدم ماریں اور صبر، مصابرت اور مرابطت کا نہایت اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنے اموال اور اپنی جانیں قربان کرتے چلے جائیں اور اپنی قلّتِ تعداد اور بے سروسامانی کو نہ دیکھیں بلکہ یہ دیکھیں کہ ہمارا خدا ہمارا معین و مددگار ہمہ قدرت اور ہمہ طاقت ہے۔ ہم اس کے آستانہ پر جھک جائیں اور جھکے رہیں اور اس کے حضور تائید و نصرت اور کامیابی فتح اور غلبہ کے لئے دعائیں مانگیں اور طالوت کے مخلص و وفاشعار اور فدائی و جاں نثار ساتھیوں کی طرح اس کی جناب میں عرض کریں کہ :-

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اب چونکہ ہمارے بارہ کروڑ عوام اور ہمارے بہادر و شیر دل سپاہی جانیں قربان کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور دعائیں کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تو وہ خدا جو پہلے بھی قلیل التعداد اور کمزور و بے سروسامان مظلوموں کے دلوں میں سکینت نازل کر کے اور انہیں حوصلہ ہمت اور طاقت عطا کر کے ان کے ذریعہ بڑی جابر اور ظالم قوموں کی سرکوبی کراتا اور انہیں ان کے ظلم کا مزہ چکھاتا رہا ہے اب بھی ایسا ہی کر رہا ہے۔ وہ ہماری مدد کے لئے ہزاروں ہزار فرشتوں کے لشکر آسمان سے نازل کر رہا ہے اور خود ظالموں پر تباہی مسلط کر رہا ہے۔ یہ اُس کا خاص فضل ہے کہ اُس نے ہمیں ان مخلص و وفاشعار اور جاں نثار و فدا کار بندگان خدا کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ جنہوں نے کہا تھا كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے اور ہماری مدد کے لئے آسمان سے فوج ملائک کو آئندہ بھی اُتارتا رہے اور اپنے اُس مسیح پاک علیہ السّلام کی دعا کو ہم جملہ اہلِ پاکستان کے حق میں بھی قبول فرمائے جس نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا ہے :-

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے   میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

اے بار الٰہ! مسیح پاک علیہ السلام کی اس دعا کو جسے تُو نے اسلام اور مسیح پاک علیہ السلام کے حق میں قبول فرمایا اور اسکی قبولیت کے عظیم الشان نشان ظاہر فرمائے آج موجودہ آڑے وقت اور موجودہ نازک حالات میں ہم اہلِ پاکستان کے حق میں بھی اسی شان سے قبول فرما کر ہمیں حملہ آور دشمن کے بالمقابل کامل طور پہ فتح یاب کر۔ دعا یہ ہے:

فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد   کشتیٔ اسلام تا ہو جائے اِس طوفاں سے پار

دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفےٰؐ   مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

آمین اَللّٰھم آمین

موجودہ ہنگامی حالات میں جلسہ سالانہ کے التواء کا اعلان

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۳ ماہ فتح ۱۳۵۰ ہش مطابق ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مسجد مبارک ربوہ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے اعلان فرمایا کہ پاکستان کے موجودہ ہنگامی حالات اور اہم ملکی مفاد کے پیشِ نظر مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس دفعہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کا انعقاد ملتوی کر دیا جائے تاکہ تمام احمدی احباب اپنی اپنی جگہ پہ پوری یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ اپنے وطن عزیز کی سالمیت اور استحکام اور حفاظت کے لئے کوشش اور جدوجہد کر سکیں۔ حضور نے فرمایا موجودہ ہنگامی حالات کے ختم ہونے پر جب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے فتح اور کامیابی کی خوشیاں دکھائے گا تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ ہم اپنا جلسہ سالانہ منعقد کریں گے۔ بسر دست تمام پاکستانیوں کا عموماً اور ہر احمدی کا خصوصاً یہ فرض ہے کہ وہ پوری توجہ، پوری محنت اور جدوجہد کے ساتھ اپنی تمام صلاحیتوں کو ملک کی عزت و وقار اور اس کی حفاظت اور اس کے استحکام کی خاطر وقف کر دے اور ساتھ ہی دعاؤں میں لگا رہے تا اللہ تعالیٰ موجودہ حالات کو اپنی قدرت و تصرف کے ساتھ ایسے رنگ میں بدل دے کہ وہ ہمارے لئے اور پاکستان کے تمام باشندوں کے لئے غیر معمولی خوشی اور اطمینان کا موجب بن جائیں۔ آمین۔

(الفضل ۵ دسمبر ۱۹۷۱ء)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نَصِیْحَۃٌ لِلّٰہِ

(اللہ کی خاطر نصیحت)

تَذَکَّرْ یَا اَخِیْ یَوْمَ التَّنَادِیْ　　وَتُبْ قَبْلَ الرَّحِیْلِ اِلَی الْمَعَادِ

اے میرے بھائی یوم حشر کو یاد کر اور عالم آخرت کی طرف کوچ کرنے سے قبل توبہ کر لے

فَاَخْرِجْ کُلَّ حِقْدِکَ مِنْ جَنَانٍ　　وَزَکِّ النَّفْسَ مِنْ سَمِّ الْعِنَادِ

اپنے دل سے ہر قسم کے کینوں کو نکال دے اور اپنے نفس کو عناد کے زہر سے پاک کر

وَخَفْ قَھْرَ الْمُھَیْمِنِ عِنْدَ ذَنْبٍ　　وَقِفْ ثُمَّ انْتَھِجْ سُبُلَ الرَّشَادِ

اور گناہ کرتے وقت خدائے مہیمن کے قہر سے ڈر غور و فکر سے کام لے اور پھر ہدایت کے رستوں پر قدم مار

وَاِنَّ ھِدَایَۃَ الْفُرْقَانِ دِیْنِیْ　　وَاَدْعُوْکُمْ اِلٰی نَھْجِ السَّدَادِ

قرآن کریم کی ہدایت ہی میرا مذہب ہے اور میں تمہیں صدق و صفا کے راستہ کی طرف بلاتا ہوں۔

فَقُمْ اِنْ شِئْتَ کَالْاَحْبَابِ طَوْعاً　　وَاِمَّا شِئْتَ فَاجْلِسْ فِی الْاَعَادِیْ

پس اگر تو پسند کرے تو خوشی خوشی دوستوں کی طرح کھڑا ہو جا اور اگر تو یہی چاہے تو پھر دشمنوں میں بیٹھا رہ

وَکَانَ نَصِیْحَۃٌ لِلّٰہِ فَرْضِیْ　　فَقَدْ بَلَّغْتُ فَرْضِیْ بِالْوِدَادِ

خدا کی خاطر نصیحت کرنا میرا فرض تھا سو میں نے محبت سے یہ فرض ادا کر دیا ہے۔

(ماخوذ "تحفہ بغداد" صلا)

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

بر رضائے خویش کن انجامِ ما

(اے خدا ہمارا خاتمہ اس حال میں کر کہ تو ہم پر راضی ہو)

گر خدا از بندہ خوشنود نیست — ہیچ حیوانے چو او مردود نیست

اگر کسی انسان کو خدا کی خوشنودی حاصل نہیں تو کوئی حیوان بھی اس سے زیادہ مردود نہیں ہو سکتا۔

گر سگِ نفسِ دنی را پروریم — از سگانِ کوچہ ہا ہم کمتریم

اگر ہم اپنے ذلیل نفس کی پرورش میں ہی لگے رہیں تو ہم گلیوں کے آوارہ کتوں سے بھی بدتر ہوں گے

اے خدا اے طالباں را رہنما! — ایکہ مہرِ تو حیاتِ روحِ ما!

اے خدا، اے طالبانِ حق کے رہنما! اور اے وہ ذات جس کی محبت ہماری روح کی زندگی ہے۔

بر رضائے خویش کن انجامِ ما — تا بر آید در دو عالم کامِ ما

تو ہمارا خاتمہ اس حال میں کر کہ تو ہم پر راضی ہو، تا دونوں جہانوں میں ہم فائز المرام ٹھہریں۔

خلق و عالم جملہ در شور و شر اند — طالبانت در مقامِ دیگر اند

دنیا اور اہلِ دنیا سب شور و شر میں مصروف ہیں مگر وہ جو تیرے طالب ہیں اور ہی مقام پر ہیں۔

آں یکے را نور مے بخشی بہ دل — واں دگر را مے گزاری پا بہ گل

ان دونوں گروہوں میں سے ایک کے دل کو تو نور بخشتا ہے اور دوسرے کو کیچڑ میں پھنسا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔

چشم و گوش و دل زِ تو گیرد ضیا — ذاتِ تو سرچشمۂ فیض و ہدیٰ

آنکھ، کان اور دل تجھ ہی سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور تیری ذات ہی ہدایت اور فیض کا سرچشمہ ہے۔

(آسمانی فیصلہ ص۸)

ہمارا جلسہ سالانہ ہزاروں برکتیں اپنے دامن میں رکھتا ہے

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ہر چند کہ موجودہ ہنگامی حالات کے پیشِ نظر جلسہ سالانہ ملتوی کر دیا گیا ہے تاہم اللہ تعالیٰ جب اپنے فضل سے ہمیں فتح اور کامیابی کی خوشیاں دکھائے گا تو پھر انشاء اللہ ہم اپنا جلسۂ سالانہ منعقد کریں گے۔ ذیل میں جلسہ سالانہ کی عظیم الشان برکات پر مشتمل حضور ایدہ اللہ کے ایک خطبہ کا اقتباس ہدیۂ قارئین ہے۔ (ادارہ)

"ہمارا سالانہ جلسہ ہزاروں برکتیں اپنے دامن میں رکھتا ہے۔ یہ اجتماع جماعت پر بہت سی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے پہلی تو یہ کہ خلوصِ نیت کے ساتھ اس اجتماع میں شمولیت اختیار کرنی چاہیئے۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کہ عمل صالح کے لئے یہ ضروری ہے کہ نیت بھی خالص ہو اور اس میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ اگر بدنیتی اور فساد کی غرض سے ایسا کام کیا جائے جو بظاہر دنیا کی نگاہ میں عمل صالح ہو تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں عمل صالح نہیں ہوتا۔ پس، اس جلسہ میں شرکت کے لئے اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہماری نیتیں پاک ہوں اور ان میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔

کس نیت کے ساتھ اس جلسہ میں شمولیت اختیار کرنی چاہیئے اس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

" دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے اور دعا میں شریک ہونے کے لئے اس تاریخ پر آجانا چاہیئے (جلسہ کی تاریخ پر) اور اس جلسہ میں ایسے حقائق اور معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لئے ضروری ہیں اور نیز ان دوستوں کے لئے خاص دعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالےٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لئے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے اور ایک عارضی فائدہ ان جلسوں میں یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک نئے سال میں جس قدر نئے بھائی اس جماعت میں داخل ہوں گے وہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو کر اپنے پہلے بھائیوں کے منہ دیکھ لیں گے اور روشناس ہو کر آپس میں رشتہ تودد و تعارف ترقی پذیر ہوتا رہے گا اور جو بھائی اس عرصہ میں اس سرائے فانی سے انتقال کر جائے گا اس جلسہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائیگی

اور تمام بھائیوں کو روحانی طور پر ایک کرنے کے لئے اور ان کی خشکی اور اجنبیت اور نفاق کو درمیان سے اٹھا دینے کے لئے بدرگاہِ حضرتِ عزّت جلّ شانہ کوشش کی جائے گی اور اس روحانی جلسہ میں اور بھی کئی روحانی فوائد و منافع ہوں گے جو انشاء اللہ القدیر وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہیں گے۔" (اشتہار شمولہ آسمانی فیصلہ مطبوعہ ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۱ء صفحہ ا و ب بحوالہ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۳۵۲)

اسی طرح آپ نے فرمایا:۔

"سو لازم ہے کہ اس جلسہ پر جو کئی بابرکت مصالح پر مشتمل ہے ہر ایک ایسے صاحب ضرور تشریف لاویں جو زادِ راہ کی استطاعت رکھتے ہوں ..... اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں ادنےٰ ادنےٰ ہرجوں کی پرواہ نہ کریں۔ خدا تعالےٰ مخلصوں کو ہر ایک قدم پر ثواب دیتا ہے اور اس کی راہ میں کوئی محنت اور صعوبت ضائع نہیں جاتی اور مکرر لکھا جاتا ہے کہ اس جلسہ کو معمولی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں۔ یہ وہ امر ہے جس کی خالص تائید حق اور اعلائے کلمۂ اسلام پر بنیاد ہے اس سلسلہ کی بنیادی اینٹ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے رکھی ہے اور اس کے لئے قومیں تیار کی ہیں جو عنقریب اس میں آملیں گی کیونکہ یہ اس قادر کا فعل ہے جس کے لئے کوئی بات انہونی نہیں۔" (اشتہار ۷ر دسمبر ۱۸۹۲ء بحوالہ تبلیغ رسالت جلد دوم صفحہ ۱۲۰)

یہ دونوں اقتباسات جو اس وقت میں نے آپ دوستوں کو سنائے ہیں ان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ ذیل باتوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ اس جلسہ کو معمولی انسانی جلسوں کی طرح خیال نہ کریں جس طرح میلے ہوتے ہیں دوسرے اجتماع ہوتے ہیں اس قسم کا یہ جلسہ نہیں ہے۔ اس لئے جو غرض اس جلسہ کے انعقاد کی ہے اس سے کبھی غافل نہ رہیں اور اس کے حصول کے لئے حتی الوسع انتہائی کوشش کرتے رہیں۔ پس یہ معمولی جلسہ نہیں ہے۔ یہ تو ایک روحانی اجتماع ہے اور اس روحانی اجتماع میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے جو روحانی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ایک تو اس میں کسی قسم کا انتشار پیدا نہیں ہونا چاہیئے اس سے بچتے رہنا چاہیئے اور دوسرے اس روحانی فضا سے جس قدر برکات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۲۔ دوسری بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی ہے کہ دوست محض للہ ربانی باتوں کو سننے کے لئے شرکت کریں۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں بڑی حکمت کی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان کی ہے اور وہ یہ کہ جلسہ میں شمولیت کی غرض یہ نہ ہو کہ فلاں کی یا فلاں کی باتیں سننی ہیں۔ غرض یہ ہو کہ ہم نے ربانی باتیں سننے کے لئے یہاں

جمع ہونا ہے۔

تو جہاں تک افراد اور انسانوں کا تعلق تھا ان کو ہمارے ذہنوں سے اس فقرہ میں محو کر دیا اور صرف یہ بات حاضر رہی کہ ہم نے خدا کے لئے جمع ہونا ہے۔ تاہم خدا کی باتیں اجتماع میں سنیں خواہ وہ کسی منہ سے نکلیں۔ اس سے یہ ذمہ داری بھی ہم پر عائد ہوتی ہے کہ جو دوست جلسہ میں شمولیت کے لئے باہر سے تشریف لائیں یا وہ مقامی دوست جو جلسہ میں کسی کام پر کسی فرض کو ادا کر رہے ہوں وہ اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ تقریر کے پروگرام میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں اور یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ جلسہ گاہ میں نہایت خاموشی کے ساتھ بیٹھیں اور نہایت غور کے ساتھ تقریر کو سنیں تاکہ وہ ربانی باتیں دل اور دماغ میں اتر جائیں جو اس پروگرام کے ماتحت اس جلسہ میں بیان کی جائیں۔ بعض دوست اپنی غفلت یا لاپرواہی کی وجہ سے جلسہ کی تقریر کے پروگرام میں پوری توجہ سے اور شوق سے شامل نہیں ہوتے بلکہ ایک حصہ اِدھر اُدھر ضائع کر دیتے ہیں۔ سارے وقت کے پروگرام میں شامل نہیں ہوتے سوائے ضروری حاجت کے جس کے لئے انسان کو بہرحال اٹھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایک منٹ بھی ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم جلسہ گاہ میں نہ گزاریں۔ مجھے علم ہے کہ بعض دوست پروگرام دیکھ کر یہ فیصلہ کرتے ہیں اپنے دل میں کہ فلاں کی تقریر ہم نے ضرور سننی ہے اور فلاں کی ہم نے ضرور سننی ہے۔ چار پانچ تقریروں کے متعلق وہ فیصلہ کر لیتے ہیں اور باقی تقاریر میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کو بلایا یہ کہہ کر گیا تھا کہ ربانی باتیں سننے کے لئے یہاں جمع ہوں۔ لیکن وہ ربانی باتوں کو اہمیت دینے کی بجائے ان ربانی باتوں کو اہمیت دیتے ہیں جو کسی خاص آدمی کی زبان سے نکلیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اس لئے جمع نہیں کیا۔ اگر آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوتے ہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان شرائط کی پابندی کریں جو شرائط حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ پر عائد کی ہیں۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو بہت سی برکات سے محروم ہو جائیں گے۔

۳۔ تیسری بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی کہ اس اجتماع میں اجتماعی اور انفرادی دعاؤں کے بہت سے مواقع ملتے ہیں۔ ان دعاؤں میں شریک ہونے اور ان مواقع سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے اس اجتماع میں شامل ہونا چاہیئے اس لئے جو یہاں آتے ہیں اور جو یہاں رہتے ہیں اور خدمت پر اس وقت لگے ہوئے نہیں ہوتے ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان دعاؤں کے مواقع کو ضائع نہ کریں۔ افتتاحی دعا جلسہ کے ایام میں افتتاح کے موقعہ پر ہوتی ہے۔ پھر جلسہ جب ختم ہوتا ہے اس وقت ہوتی ہے اس کے علاوہ بھی بعض دفعہ ایسے مواقع میسر آجاتے ہیں جب اجتماعی دعا کی جاتی ہے۔ ایک حصہ زائرین کا اور کچھ یہاں رہنے والوں کا بھی صبح تہجد کے وقت اکٹھے نوافل ادا کر کے اجتماعی دعا کا موقعہ حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایسا موقعہ تو نہیں جس کے متعلق میں کہوں کہ سب

اس میں شامل ہوں کیونکہ سب کی شمولیت کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ یہ مسجد بھی چھوٹی سی ہے۔ بہرحال جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا کرے اور وہ اس میں شامل ہو سکیں انہیں اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے انفرادی طور پر بھی ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہیئے خاص توجہ اور انہماک کے ساتھ زیادہ تر ان ایام کے سب اوقات دعاؤں سے معمور ہونے چاہئیں۔ کوئی ایسا لمحہ بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ ان ایام میں جو دعا سے خالی اور اللہ تعالیٰ کی برکت سے خالی ہو۔

۴۔ چوتھی بات جماعت کو مخاطب کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اس جلسہ میں شمولیت کے لئے کچھ نہ کچھ تو دنیوی حرج کرنا پڑتے ہیں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کسی قسم کا کوئی حرج بھی آپ نہ کریں اور پھر اس میں شامل ہو جائیں۔ باہر سے آنے میں پیسہ خرچ کرتے ہیں اپنی رخصتیں خرچ کرتے ہیں اپنی تجارتوں کو چھوڑ کے اس جلسہ کی برکات میں حصہ لینے کے لئے اس میں جمع ہوتے ہیں جو یہاں کے رہنے والے ہیں وہ جلسہ کے لئے اپنے چوبیس گھنٹے وقف کرتے ہیں (قریباً سارے) لیکن جو نہیں کرتے انہیں اس خیال سے ترساں رہنا چاہیئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو وہ مول نہ لینے والے ہوں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں یہ فرمایا کہ کچھ نہ کچھ تمہیں حرج تو کرنا پڑے گا کچھ تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ کچھ مال خرچ کرنا پڑے گا کچھ عادتوں کو چھوڑنا پڑیگا لیکن خدا کے لئے اور ربانی باتوں کو سننے کے لئے تمہیں ادنے ادنے حرجوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ بڑے مخلص امیر اور بڑے مخلص غریب اس جلسہ میں شامل ہوتے ہیں۔ مجھے خود ذاتی طور پر ایسے دوستوں کا علم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دنیوی اموال بھی کثرت سے دیئے ہیں لیکن جلسہ کے ایام میں ان کے سارے خاندان کو ایک غسل خانہ مل جائے جس میں پرالی بچھی ہو تو ان کے دل خدا کی حمد سے بھر جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائش کا سامان پیدا کر دیا ہے اور یہ ایسی مثالیں ہیں کہ غیر تو ان کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ وہ خیال کریں گے کہ شائد یونہی باتیں بنا رہے ہیں لیکن جلسہ پر آئیں او دیکھیں تو ان کو پتہ لگے کہ کس خالص نیت اور کس پاک دل کے ساتھ یہ لوگ اس جلسہ میں شرکت کرتے ہیں۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے اگر باہر کی جماعتوں تک میری آواز پہنچ جائے یا جن کو پہلے بھی اس بات کا علم ہو یا یاد دہانی کرائی گئی ہو وہ ادنے ادنے حرجوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس جلسہ میں شامل ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش کو پورا کریں اور اپنے لئے برکات کے سامان پیدا کرلیں۔"

سچائی

محترم جناب مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ پنجاب

سچائی ایک ایسا بنیادی خلق ہے جو باقی اعلیٰ اخلاق کے پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔ اگر انسان سچائی پر قائم ہو جائے تو بددیانتی، حرام خوری، رشوت ستانی، ظلم و استبداد اور ان سے پیدا ہونے والی ہر قسم کی بدیوں سے بچ جاتا ہے۔ ناجائز مال کا حصول جھوٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے اور پھر وہ عام طور پر شراب خوری، بدعلنی اور عیاشی وغیرہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو قومی انحطاط کا سب سے بڑا موجب جھوٹ ہوتا ہے۔ جب جھوٹ کسی قوم کے اقوال اور افعال میں داخل ہو جاتے تو اس کی اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے اور وہ قعر ذلت میں گر پڑتی ہے۔ جھوٹ گناہ کے لئے ایک عارضی پردہ مہیا کرتا ہے جس کے نیچے گناہ پنپتا ہے۔ اگرچہ بسا اوقات وہ پردہ جلد یا بدیر چاک ہو کر اس دنیا میں ہی انسان کی ذلت اور ہلاکت کا موجب ہو جاتا ہے۔

اس کے بالمقابل سچائی تمام قسم کی نیکیوں کا راستہ کھول دیتی ہے اور اسے ترقی کی شاہراہ پر چلنے کی طاقت بخشتی ہے۔ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت کیسے خوبصورت اور جامع الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں:-

اِنَّ الصِّدْقَ یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَ اِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَصْدُقُ حَتّٰی یُکْتَبُ عِنْدَ اللهِ صِدِّیْقًا وَ اِنَّ الْکَذِبَ یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَکْذِبُ حَتّٰی یُکْتَبُ عِنْدَ اللهِ کَذَّابًا۔

(بخاری کتاب الادب بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما)

یعنی سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔ اور جو انسان ہمیشہ سچ بولے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ گناہ اور فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف۔ اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔

یہاں حضورؐ نے صدیق کی تعریف بھی فرما دی کہ صدیق وہ ہوتا ہے جس کے اقوال اور اعمال میں سچائی

کامل طور پر داخل ہو جاتی ہے اور اس میں سے جھوٹ کی سب تاریکی نکل جاتی ہے۔ قرآن کریم نے نبی کے بعد سب سے بڑا درجہ صدیق کا رکھا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت کمزوریوں میں مبتلا ہوں اور سارے گناہوں کو یکدم چھوڑنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضور ارشاد فرمائیں کہ میں سب سے پہلے کونسا گناہ چھوڑ دوں۔ حضورؐ نے فرمایا" جھوٹ بولنا چھوڑ دو"۔ اس نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا اور واپس چلا گیا۔ پھر جب اپنی عادت کے مطابق گناہوں کا ارتکاب کرنے لگا تو اس ڈر سے کہ اگر اس سے دریافت کیا گیا تو اسے سچ سچ بتانا پڑے گا اسے آہستہ آہستہ سارے گناہ چھوڑنے پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بتوں کی پرستش اور جھوٹ کو ساتھ ساتھ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (سورہ حج آیت ۳۱)

یعنی تم بُت پرستی کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی بچو۔

گویا خدا تعالےٰ کی نگاہ میں یہ دونوں پلیدیاں ایک جیسی ہیں۔ جھوٹ بولنے والا بھی کسی چیز کو اپنا بُت بنا کر اس کی خاطر جھوٹ میں مبتلا ہوتا ہے کبھی مال کی خاطر جھوٹ بولتا ہے، کبھی عزت کی خاطر، کبھی جان کی خاطر کبھی اولاد کی خاطر، غرضیکہ کسی نہ کسی چیز کو وہ بُت کی حیثیت دے دیتا ہے اور اس کی خاطر جھوٹ کو اختیار کرتا ہے۔

حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی جھوٹ کو بُت پرستی کے ساتھ ہی بیان فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے:۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ ثَلَاثًا قُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَکَانَ مُتَّکِئًا فَجَلَسَ فَقَالَ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَھَادَۃُ الزُّوْرِ۔ فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی قُلْنَا لَیْتَہٗ سَکَتَ　　(بخاری کتاب الادب)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ، پر مطلع نہ کردوں (اور صحابہؓ کو متوجہ کرنے کے لئے) آپؐ نے یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپؐ ضرور ہمیں مطلع فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ اللہ تعالےٰ کا شرک ہے اور پھر دوسرے نمبر

پر سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی ہے اور ان کی خدمت کی طرف سے غفلت برتنا۔ اور پھر — اور یہ بات کہتے ہوئے آپؐ تکیہ کا سہارا چھوڑ کر جوش کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا — اچھی طرح سُن لو کہ اس کے بعد سب سے بڑا گناہ جھوٹ بولنا ہے اور آپؐ نے ان آخری الفاظ کو اتنی دفعہ دہرایا کہ ہم نے آپؐ کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے دل میں کہا کہ کاش اب آپؐ خاموش ہو جائیں اور اتنی تکلیف نہ اٹھائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہت کم حدیثیں مروی ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ حدیث کی روایت میں بے حد احتیاط فرماتے تھے۔ اس سے اس حدیث کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو آپ اس بُرائی کو دیتے تھے۔ کاش مسلمان اس سے سبق حاصل کرتے اور اس خرابی کو پیدا ہونے سے روکتے

سچائی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"سچائی اختیار کرو۔ سچائی اختیار کرو کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ تمہارے دل کیسے ہیں۔ کیا انسان اس کو بھی دھوکہ دے سکتا ہے۔ کیا اس کے آگے بھی مکاریاں پیش جاتی ہیں۔ نہایت بدبخت آدمی اپنے فاسقانہ افعال اس حد تک پہنچاتا ہے کہ گویا خدا نہیں تب وہ جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور خدا تعالےٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔"

(ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۸۳۰)

اس سے ذرا آگے جا کر فرماتے ہیں:-

"مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق خون کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔ حق کو قبول کر لو اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر ایک مخالف کی کی طرف سے حق پاؤ تو فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ یعنی بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بُت سے کم نہیں۔ جو چیز قبلہ حق سے تمہارا منہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بُت ہے۔ سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چاہیئے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔" (ازالہ اوہام صلا۸۳)

ایک جگہ حضور علیہ السلام اپنے متعلق فرماتے ہیں:-

"اگر آپ طالب حق بن کر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ پر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھل سکتی ہے کہ خدا تعالےٰ نے ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسی خطرہ میں پڑ گئی کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی۔ لیکن اللہ جلشانہ کی توفیق سے میں سچ کے لئے اپنی جان اور عزت سے دستبردار ہوگیا اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کے لئے میں نے بڑے بڑے نقصان اٹھائے اور بسا اوقات محض خدا تعالےٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں میں اور نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گزر گئی ہے مگر کون ثابت کر سکتا ہے کہ کبھی میرے منہ سے جھوٹ نکلا ہے۔ پھر جب میں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتداء سے متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا تو پھر میں خدا تعالےٰ پر کیوں جھوٹ بولتا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام طبع اوّل ص۲۹۸، ص۲۹۹)

اسی جگہ آگے چل کر آپ نے اپنی سچائی کی تین مثالیں بھی دی ہیں۔

سچائی کے متعلق آپ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو جو راستگوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راستگو نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جن میں اس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت، یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اس کو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے۔ دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ جھوٹ بولے۔ پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو۔ اس میں خدا کی تعلیم یہ ہے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ۔

ترجمہ: بُتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بُت ہے جس پر بھروسہ کرنیوالا خدا کا بھروسہ چھوڑ دیتا ہے سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کے لئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گنہگار ہے۔ اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے۔ اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو۔ حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہیئے کہ ہر ایک گواہی تمہاری خدا کے لئے ہو۔ جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے یا اس سے تمہارے ماں باپ کو ضرر پہنچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو اور چاہیئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے۔ سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائیں گے۔ ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی)

یہاں حضور علیہ السلام نے سچائی کے بارہ میں قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ دے دیا ہے۔ ہمارے لئے اس کا ایک ایک نقطہ قابلِ غور ہے۔ اس قرآنی تعلیم کو پوری طرح یاد رکھنے اور اس پر صدق دل سے عمل کرنے کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے کسی حصہ کو نظر انداز کر دیں اور پکڑے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

یہاں جھوٹ کے بارہ میں بعض تصریحات کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہنسی مذاق میں جھوٹی بات کہہ دی جائے تو وہ کوئی جھوٹ نہیں ہوتا۔ یہ درست نہیں ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ بولنا ویسا ہی ہے جیسا سنجیدگی سے بولنا۔ خلاف واقعہ بات بہرحال جھوٹ ہے خواہ وہ بطور ہنسی کسی کو کہی جائے یا سنجیدگی سے۔ اسی طرح مبالغہ آمیزی کو جھوٹ نہیں سمجھا جاتا۔ یہ بھی قطعی نادرست ہے۔ واقعہ سے بڑھ کر جو کچھ بھی کہا جائے خواہ وہ محض زیب داستان کے طور پر ہو یا دوسرے پر کسی قسم کا اثر ڈالنے کے لئے خواہ کسی اور غرض سے وہ سب جھوٹ ہوتا ہے اور اس سے پرہیز لازم ہے۔ بعض لوگوں کو باتوں میں مبالغہ سے کام لینے کا چسکا ہوتا ہے انہیں خبردار رہنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی جھوٹ ہوتا ہے اور قابلِ مواخذہ۔

بچوں کو بہلاتے وقت انہیں یونہی بعض چیزوں کے دینے کا وعدہ دے دیا جاتا ہے حالانکہ نیت یہ نہیں ہوتی۔ بلکہ محض وقتی طور پر انہیں چپ کرانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ بھی جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے۔ جب بچہ دیکھتا ہے کہ اس سے غلط باتیں کہی جاتی ہیں تو اس سے وہ بھی جھوٹ سیکھتا ہے۔ بچے کو صرف وہی بات کہنی چاہیئے جو بعد میں کر دی جائے۔ اسی طرح بچوں کو ڈراتے وقت بعض ایسی چیزوں کا ذکر کر دیا جاتا ہے جن کا یا تو وجود ہی نہیں ہوتا یا وہ اس وقت وہاں موجود نہیں ہوتیں اور نہ آ سکتی ہیں۔ بچے کو جب علم ہوتا ہے کہ یہ طریق محض اس کو ڈرانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے تو وہ جھوٹ

کو ایک معمولی چیز سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

جھوٹ کے متعلق ایک اَور غلط فہمی بھی ہوتی ہے بعض دفعہ واقعہ تو صحیح ہوتا ہے لیکن جو اس کے متعلق شہادت دیتا ہے وہ اس کا عینی گواہ نہیں ہوتا۔ اس کا شہادت دینا ایک جھوٹی شہادت ہوتی ہے۔ اگر وہ اسے اس وجہ سے سچی سمجھے کہ واقعہ تو ٹھیک ہے اگرچہ وہ موجود نہیں تھا تو یہ اس کی بھاری غلطی ہے۔ یقیناً وہ سخت جھوٹ کا ارتکاب کر رہا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ مَیں نے اپنی جماعت کے ایک دوست کو یہ کہا کہ اس کا اس قسم کی گواہی دینا جھوٹ ہے تو وہ مجھ سے ناراض ہو گیا اور پندرہ سال کے قریب ناراض رہا۔ شائد ابھی تک بھی اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ اس کا یہ فعل صریحاً جھوٹ تھا۔

اب مَیں آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات میں سے ایک اقتباس دیتا ہوں جس میں حضور نے اس بات کا بھی جواب دیا ہے کہ جھوٹ کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا اور اپنے متعلق بھی کسی قدر بتایا ہے۔ درحقیقت جھوٹ ایک ایسی نجاست ہے کہ ایک ایماندار انسان اس کو کسی حالت میں بھی اپنے دل میں جگہ نہیں دیتا اور اپنی زبان کو اس سے پلید نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ بولنے والا انسان ویسا ہی مکروہ اور قابلِ نفرت ہے جیسا کہ بُت کی پرستش کرنے والا۔ لیکن اس زمانہ میں اس بیماری کی حد ہو گئی۔ اس کی وجہ سے ساری کی ساری قوم اپنی عظمت کو کھو بیٹھی۔ اب ہمارا فرض ہے کہ قرنِ اول کی طرح ایک دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی باتوں کو قدر اور عظمت کی نگاہ سے دیکھیں اور اپنی سفلی خواہشات کو چھوڑ دیں۔ سچائی کو کامل طور پر اختیار کریں اور جھوٹ کو بیزار ہو کر کلّی طور پر ہر پہلو سے ترک کریں تاکہ ایک دفعہ پھر اسلام کی شوکت دنیا میں قائم ہو اور ہم اس حقیقی عزت کے وارث ہوں جو اللہ تعالیٰ اپنے خالص بندوں کو دینا چاہتا ہے۔

حضور علیہ السلام اس اقتباس میں فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص عدالت میں جاتا ہے تو دو آنے لے کر جھوٹی گواہی دے دینے میں ذرا شرم و حیا نہیں کرتا۔ کیا وکلاء قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ سارے کے سارے گواہ سچے پیش کرتے ہیں۔ آج دنیا کی حالت بہت نازک ہو گئی ہے۔ جس پہلو اور رنگ سے دیکھو جھوٹے گواہ بنائے جاتے ہیں۔ جھوٹے مقدمہ کرنا تو بات ہی کچھ نہیں جھوٹے اسناد بنا لئے جاتے ہیں کوئی امر بیان کریں گے تو سچ کا پہلو بچا کر بولیں گے۔ اب کوئی ان لوگوں سے جو اس سلسلہ کی ضرورت نہیں سمجھتے پوچھے کہ کیا یہی وہ دین تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تو جھوٹ کو نجاست کہا تھا کہ اس سے پرہیز کرو فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ بُت پرستی کے ساتھ اس جھوٹ کو ملایا ہے۔ جیسے احمق انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پتھر کی طرف سر

جھکاتا ہے ویسے ہی صدق اور راستی کو چھوڑ کر اپنے مطلب کے لئے جھوٹ کو بُت بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بُت پرستی کے ساتھ ملایا اور اس سے نسبت دی۔ جیسے ایک بُت پرست بُت سے نجات چاہتا ہے۔ جھوٹ بولنے والا بھی اپنی طرف سے بُت بناتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس بُت کے ذریعہ نجات ہو جائے گی۔ کیسی خرابی آکر پڑی ہے۔ اگر کہا جاوے کہ کیوں بُت پرست ہوتے ہو۔ اس نجاست کو چھوڑ دو تو کہتے ہیں کیونکر چھوڑ دیں اس کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ جھوٹ پر اپنا مدار سمجھتے ہیں۔ مگر مَیں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آخر سچ ہی کامیاب ہوتا ہے۔ بھلائی اور فتح اسی کی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ مَیں نے ایک مرتبہ امرتسر ایک مضمون بھیجا۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط بھی تھا رلیارام کے وکیل ہند اخبار کے متعلق تھا۔ میرے اس خط کو خلاف قانون ڈاک خانہ قرار دے کر مقدمہ بنایا گیا۔ وکلاء نے بھی کہا کہ اس میں بجز اس کے رہائی نہیں جو اس خط سے انکار کر دیا جاوے گویا جھوٹ کے سوا بچاؤ نہیں مگر مَیں نے اس کو ہرگز پسند نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ اگر سچ بولنے سے سزا ہوتی ہو تو ہونے دو جھوٹ نہیں بولوں گا۔ آخر وہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ ڈاک خانوں کا افسر بحیثیت مدعی حاضر ہوا مجھ سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو مَیں نے صاف طور پر کہا کہ یہ میرا خط ہے مگر مَیں نے اس کو جزو مضمون سمجھ کر اس میں رکھا ہے۔ مجسٹریٹ کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسے بصیرت دی۔ ڈاک خانوں کے افسر نے بہت زور دیا مگر اس نے ایک نہ سنی اور مجھے رخصت کر دیا۔

مَیں کیونکر کہوں کہ جھوٹ کے بغیر گزارہ نہیں۔ ایسی باتیں نری بے ہودگیاں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سچ کے بغیر گزارہ نہیں۔ مَیں اب تک بھی جب اس واقعہ کو یاد کرتا ہوں تو ایک مزا آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پہلو کو اختیار کیا اس نے ہماری رعایت رکھی اور ایسی رعایت رکھی جو بطور نشان کے ہوگئی۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

یقیناً یاد رکھو جھوٹ جیسی کوئی منحوس چیز نہیں۔ عام طور پر دنیا دار کہتے ہیں کہ سچ بولنے والے گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مگر مَیں کیونکر اس کو باور کروں۔ مجھ پر سات مقدمے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کسی میں بھی مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کوئی بتائے کسی ایک میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے شکست دی ہو۔ اللہ تعالیٰ تو آپ سچائی کا حامی اور مددگار ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ راستباز کو سزا دے؟ اگر ایسا ہو تو پھر دنیا میں پھر کوئی سچ بولنے کی جرأت نہ کرے اور خدا تعالیٰ

پر سے ہی اعتقاد اُٹھ جاوے۔ راستبازتو زندہ ہی مرجاویں۔

اصل بات یہ ہے کہ سچ بولنے سے جو سزا پاتے ہیں وہ سچ کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ وہ سزا ان کی بعض اَور مخفی در مخفی بدکاریوں کی ہوتی ہے اور کسی اَور جھوٹ کی ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ کے پاس تو ان کی بدیوں اور شرارتوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے ان کی بہت سی خطائیں ہوتی ہیں اور کسی نہ کسی میں وہ سزا پا لیتے ہیں۔

میرے ایک استاد گل علی شاہ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ وہ شیر سنگھ کے بیٹے پرتاب سنگھ کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ شیر سنگھ نے اپنے باورچی کو صرف نمک مرچ کی زیادتی پر بہت مارا تو چونکہ وہ بڑے سادہ مزاج تھے۔ انہوں نے کہا آپ نے بڑا ظلم کیا اس پر شیر سنگھ نے کہا مولوی جی کو خبر نہیں اس نے میرا سو بکرا کھایا ہے۔ اسی طرح پر انسان کی بدکاریوں کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے اور وہ کسی ایک موقعہ پر پکڑا جا کر سزا پاتا ہے۔ جو شخص سچائی اختیار کرے گا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ذلیل ہو اس لئے کہ وہ خدا تعالےٰ کی حفاظت میں ہوتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی حفاظت جیسا اَور کوئی محفوظ قلعہ اور حصار نہیں۔ لیکن ادھوری بات فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جب پیاس لگی ہوئی ہو تو صرف ایک قطرہ پی لینا کفایت کرے گا یا شدت بھوک کے وقت ایک دانہ یا لقمہ سے سیر ہو جاوے گا بالکل نہیں بلکہ جب تک پورا سیر ہو کر نہ پیئے یا کھانا نہ کھالے تسلی نہ ہوگی۔ اسی طرح جب تک اعمال میں کمال نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں۔ ناقص اعمال اللہ تعالےٰ کو خوش نہیں کر سکتے اور نہ وہ بابرکت ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا یہی وعدہ ہے کہ میری مرضی کے موافق اعمال کرو پھر میں برکت دوں گا۔

غرض یہ باتیں دنیا دار خود ہی بنا لیتے ہیں کہ جھوٹ اور فریب کے بغیر گزارہ نہیں۔ کوئی کہتا ہے فلاں شخص نے مقدمہ میں سچ بولا تھا اس لئے چار برس کو دھر لیا گیا۔ میں پھر کہوں گا کہ یہ سب خیالی باتیں ہیں جو عدم معرفت سے پیدا ہوتی ہیں ؎

"کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی"

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۳۴۹ تا صفحہ ۳۵۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جدا کرتی ہیں اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو"۔ (الوصیت)

تحریکِ تعلیم القرآن

مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے قائد وقفِ جدید

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

از نورِ پاکِ قرآں صبحِ صفا دمیدہ
بر غنچہ ہائے دِلہا بادِ صبا وزیدہ

(براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ ۱۸۸۲ء)

یعنی قرآن کریم کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہوگئی اور دلوں کے غنچوں پر بادِ صبا چلنے لگی

اگر جماعت احمدیہ بھی اس بادِ صبا سے نئی زندگی و جولانی حاصل کرنا چاہتی ہے اور چاہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات کی تمام تاریکیوں کو روشن صبح میں۔ بدل دے تو اس کے ہر فرد کا فرض اولین ہے کہ وہ قرآن کے نور سے منوّر ہو۔ اسی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کی ابتداء میں ہی تحریکِ تعلیم القرآن کو جماعت میں شدّ و مدّ سے جاری فرمایا اور آپ نے سب تحریکات سے بڑھ کر اس پر زور دیا ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے عربی اشعار میں فرماتے ہیں ؎

أَعْطَى الْوَرٰى بِسِرِّ لَآئِهٖ	مَآءً مُّعِيْنًا سَيِّغًا
أَرْوَى الْخَلَائِقَ كُلَّهُمْ	إِلَّا لَئِيْمًا أَبْدَغَا
مَنْ فَرَّ مِنْ فَيَضَانِهٖ	أَلْأَعْلٰى وَمِنَّا أَفْرَغَا
مَا كَانَ قَلْبًا تَائِبًا	بَلْ كَانَ لَحْمًا أَسْلَغَا

(نور الحق جلد اول صفحہ ۱۲۴ و صفحہ ۱۲۵)

یعنی قرآن کریم نے اپنے ڈولوں کے ساتھ مخلوقِ خدا کو خوشگوار روحانی زندگی پیدا کرنے والا پانی پلایا اور تمام مخلوق کو سیراب کردیا سوائے اس کے جو لئیم یعنی کمینی فطرت رکھنے والا اور بدی سے آلودہ تھا جو اس کے اعلیٰ ترین فیضان اور فیضان شدہ تعلیم سے بھاگا اور وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والا دل ہی

نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسا گوشت تھا جو گداز نہ ہوا

اللہ ہمیں توفیق دے ہاں ہم سب کو۔ ہر چھوٹے اور بڑے کو توفیق دے کہ ہم اس خوشگوار چشمہ پر منہ لگا دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ کی تحریک تعلیم القرآن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تا ابدی زندگی پائیں اور قرآن کریم کے علوم سیکھنے سے غفلت کر کے ان بدقسمت لوگوں کے زمرے میں شمار نہ ہوں جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ان اشعار میں محض بے جان گوشت کا ایک ٹکڑا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس بد انجام سے بچائے آمین

حضور علیہ السلام اردو اشعار میں فرماتے ہیں ؎

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں — حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں — اُن پہ اُس یار کی نظر ہی نہیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ نے یہ تحریک اسی لئے جاری فرمائی ہے کہ ہم قرآن کریم کے طفیل اس کی تعلیم سے باخبر ہو کر اس پر عمل کر کے اللہ تعالےٰ کی محبت بھری نگاہوں کے مورد بن کر ابدی سرور ولذت والی زندگی پائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ اس تحریک کے نتائج اور دل خوشکن انجام کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو میں بہت دعاؤں میں مصروف تھا اس وقت عالم بیداری میں میں نے دیکھا کہ جس طرح بجلی چمکتی ہے اور زمین کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک روشن کر دیتی ہے اسی طرح ایک نور ظاہر ہوا اور اس نے زمین کو ایک کنارے سے لے کر دوسرے کنارے تک ڈھانپ لیا اور پھر میں نے دیکھا کہ اس نور کا ایک حصہ جیسے جمع ہو رہا ہے اور پھر اس نے الفاظ کا جامہ پہنا اور ایک پُرشوکت آواز فضا میں گونجی جو اس نور سے ہی ہوئی تھی۔ اور وہ یہ تھی ۔"بُشْرٰی لَکُمْ"

یہ ایک بڑی بشارت تھی ۔۔۔۔ وہ ہمارا خدا جو بڑا ہی فضل کرنے والا ہے اس نے خود اس کی تعبیر اس طرح سمجھائی کہ گزشتہ پیر کے دن میں ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا اور تیسری رکعت کے قیام میں تھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کسی غیبی طاقت نے مجھے اپنے تصرف میں لے لیا ہے۔ اس وقت مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ جو نور میں نے اس دن دیکھا تھا وہ قرآن کا نور ہے جو تعلیم القرآن کی سکیم اور عارضی وقف کی سکیم کے ماتحت دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس مہم میں برکت ڈالیگا اور انوار قرآنی اس طرح زمین پر محیط ہو جائیں گے جس طرح اس نور کو میں نے زمین پر محیط ہوتے

دیکھا فالحمد للہ علیٰ ذالک " (الفضل ۱۰ اگست ۱۹۶۶ء)

اِس تحریک کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

" انصار اللہ کو آج مَیں کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی تعلیم کے سلسلہ میں آپ پر دو بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ایک ذمہ داری تو خود قرآن کریم سیکھنے کی ہے اور ایک ذمہ داری ان لوگوں (مردوں اور عورتوں) کو قرآن کریم سکھانے کی آپ پر عائد ہوتی ہے کہ جن کے آپ اللہ تعالےٰ کی نگاہ میں اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق راعی بنائے گئے ہیں۔ آپ ان دو ذمہ داریوں کو سمجھیں اور حسب طاقت ان کی طرف متوجہ ہوں۔" (خطبہ جمعہ [illegible] شہادت ۱۳۴۸ ہش)

واضح رہے کہ قرآن کریم سیکھنے کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ امر ہے کہ ہمیں اس کی ناظرہ صحیح تلاوت آتی ہو۔ دوم اس کے معانی اور مضامین پر عبور ہو۔ سوم اس کے اعلیٰ معارف و دقائق پر بھی آگاہی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا (الرعد ۳۲)۔ اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے جس کے ذریعہ مشکلات کے پہاڑوں کو اڑایا جاسکے یا اس کے ذریعہ سے اس زمین (سے متعلق زندگی کے سفر) کو بخوبی طے کیا جاسکے یا جس کے ذریعہ سے روحانی مُردوں (میں زمین کی روح پھونک کر ان) سے کلام کیا جائے (تو یقیناً) یہ قرآن ان تمام صفات سے متصف ہے۔ اس کے باوجود جو لوگ اس قرآن سے یہ فوائد حاصل نہیں کرتے تو اس سے اس قرآن کریم کی قوتِ قدسی اور فیض رسانی پر کوئی عیب نظر نہیں آتا کیونکہ قرآن کریم سے فیض حاصل کرنے کی توفیق دینے کا معاملہ کلیۃً اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔ (یعنی وہ بعض کو ان کی شامتِ اعمال کی وجہ سے یہ خوش قسمتی نصیب نہیں کرتا۔ اور بعض کو ان کی عاجزانہ دعاؤں اور کوششوں کو قبول کرتے ہوئے قرآن کریم سے فیض یاب ہونے کی سعادت نصیب کر دیتا ہے۔)

اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کی تین عظیم الشان تاثیرات کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اوّل۔ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے اور اس کی برکات سے بہرہ ور ہونے سے مشکلات کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکتا ہے اور انسان ان پر غالب آسکتا ہے۔

دوم۔ اس سے ہی زندگی کے سفر کو ایسے بہترین رنگ میں طے کیا جاسکتا ہے کہ ہر فرد دوسرے کے لئے رحمت و برکت کا موجب بنے۔ انسان انسان کو کیڑوں کی طرح نہ کھائے اور یہ زمین ایک

جنّت نظیر معاشرہ کا منظر بن جائے۔

سوم ۔ قرآن کریم کے ذریعہ سے انسان کی مُردہ روح زندہ ہو کر اس قدر نورانی رنگ اختیار کر لیتی ہے کہ زمین و آسمان کا خدا اس سے ہم کلام ہونے لگتا ہے گویا یہ قرآن خاکی انسان کو اٹھا کر عرش کے سامنے جا کھڑا کرتا ہے اور بندہ اپنے رب کے محبت بھرے کلام سے متلذذ ہو کر اسی زندگی میں ابدی وجاودانی مسرتوں سے ہمکنار ہو جاتا اور اپنی زندگی کے مقصد کو پا لیتا ہے ؎

کوئے دلبر میں کھینچ لاتا ہے ✿ پھر تو کیا کیا نشان دکھاتا ہے

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا جماعت پر عظیم احسان ہے کہ حضور نے شروع خلافت سے ہی تعلیم قرآن پر زور دیا ہے تا اس طریق سے جماعت احمدیہ قرآن کریم کی ان تمام برکات سے متمتع ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کی اس دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی وارث ہو سکے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن مجید کے انہی کمالات عالیہ اور انہی تاثیرات روحانیہ اور فیوض سماویہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"فرقانِ مجید باوجود ان تمام کمالاتِ بلاغت و فصاحت و احاطۂ حکمت و معرفت ایک روحانی تاثیر اپنی ذات بابرکات میں ایسی رکھتا ہے کہ اس کا سچا اتباع انسان کو مستقیم الحال اور منور الباطن اور منشرح الصدر اور مقبول الٰہی اور قابلِ خطاب حضرتِ عزت بنا دیتا ہے اور اس میں وہ انوار پیدا کرتا ہے اور وہ فیوضِ غیبی اور تائیراتِ لاریبی اس کے شاملِ حال کر دیتا ہے کہ جو اغیار میں ہرگز پائی نہیں جاتیں اور حضرتِ احدیت کی طرف سے وہ لذیذ اور دل آرام کلام اس پر نازل ہوتا ہے جس سے اس پر دم بدم کھلتا جاتا ہے کہ وہ فرقانِ مجید کی سچی متابعت سے اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی سے ان مقامات تک پہنچایا گیا ہے کہ جو محبوبانِ الٰہی کے لئے خاص ہیں اور ان ربّانی خوشنودیوں اور مہربانیوں سے بہرہ یاب ہو گیا ہے جن سے وہ کامل ایمان دار بہرہ یاب تھے جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں اور نہ صرف مقال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر بھی۔ ان تمام محبتوں کا ایک صافی چشمہ اپنے پُر صدق دل میں بہتا ہوا دیکھتا ہے اور ایک ایسی کیفیت تعلق باللہ کی اپنے منشرح سینہ میں مشاہدہ کرتا ہے جس کو نہ الفاظ کے ذریعہ سے اور نہ کسی مثال کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے اور انوارِ الٰہی کو اپنے نفس پر بارش کی طرح برستے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ انوار کبھی اخبارِ غیبیہ کے رنگ میں اور کبھی علوم و معارف کی صورت میں اور کبھی اخلاق فاضلہ کے پیرایہ میں اس پر اپنا پرتو ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ تاثیرات فرقان مجید کی سلسلہ دار چلی آتی ہیں

اور جب سے کہ آفتابِ صداقت ذاتِ بابرکات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں آیا۔ اسی دم سے آج تک ہزارہا نفوس جو استعداد اور قابلیت رکھتے تھے متابعتِ کلامِ الٰہی اور اتباعِ رسولؐ سے مدارج عالیہ مذکورہ تک پہنچ چکے ہیں اور پہنچتے جاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ صلا۲۴۲ تا صلا۲۶۸ حاشیہ در حاشیہ ۳ بحوالہ ماہنامہ انصار اللہ تبوک، ۱۳۴۴ہش)

اگر ہم سمجھتے ہیں اور واقعی یہ یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے جو ہمارے نام آیا اور ہماری دین و دنیا کی فلاح اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ہے تو پھر ہمیں دنیا کی دوسری تعلیموں پر تعلیم قرآن کو مقدم کرنا چاہیئے۔

حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام کسی قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے . . . . اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں . . . . قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کر سکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ ہو۔ قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے۔ اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔" (کشتی نوح صلا۲۶-۲۷)

پھر فرماتے ہیں :-

"جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" (کشتی نوح صلا۱۳)

تعلیمِ قرآن کی تحریک ایسی تحریک ہے جس پر لبیک کہنا سعادتِ دارین حاصل کرنا ہے۔ بصورتِ دیگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک الہام کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانا ہے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس انذاری الہام کو سنکر یا پڑھ کر ایک مومن کے رونگٹے کھڑے ہو جانے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس تحریک پر کماحقّہٗ لبیک کہنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانے کا موجب نہ بنیں۔ حضور کا وہ الہام یہ ہے :-

"۲۲ نومبر ۱۹۰۲ء۔ اسی رات ایک الہام ہوا بوقت ۳ بجے دو منٹ اوپر اور وہ یہ ہے :-
مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ نَبْتَلِیْهِ بِذُرِّیَّةٍ فَاسِقَةٍ مُلْحِدَةٍ یَمِیْلُوْنَ اِلَی الدُّنْیَا وَلَا یَعْبُدُوْنَنِیْ شَیْئًا۔ جو شخص قرآن سے کنارہ کرے گا ہم اس کو ایک خبیث اولاد کے ساتھ مبتلا کریں گے۔ جن کی ملحدانہ زندگی ہوگی، وہ دنیا پر گریں گے اور میری پرستش سے ان کو کچھ بھی حصہ نہ ہوگا۔ یعنی ایسی اولاد کا انجام بد ہوگا اور توبہ اور تقویٰ نصیب نہیں ہوگا۔" (تذکرہ طبع ثانی ص۴۵۵ بحوالہ ریویو مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی ص۱۶ حاشیہ)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک موقعہ پر فرمایا :-

"جب تک ہم قرآن کریم کے تمام اوامر و نواہی کی عزت نہیں کرتے ان کے آگے نہیں جھکتے اور جن باتوں سے ہمیں روکا گیا ہے ان سے باز نہیں آتے اور جن چیزوں کے کرنے کی ہمیں تلقین کی جاتی ہے وہ ہم بجا نہیں لاتے اس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے وارث نہیں ہو سکتے جن فضلوں کا وارث وہ انسان ہوتا ہے جو قرآن کریم کے نور سے منور ہوتا ہے اور قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنے والا ہوتا ہے اور قرآن کریم کا کامل متبع ہوتا ہے اور قرآن کریم کا سچا خدمتگزار ہوتا ہے۔ محض احمدی کہلانا، احمدیت کی طرف منسوب ہونا ہمارے لئے کافی نہیں اسی لئے میں اپنے متعدد خطبات میں اس سے پہلے بھی جماعت کو اس طرف متوجہ کر چکا ہوں کہ پوری ہمت کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے اور اس پر عمل کرنے کا انتظام تمام جماعتوں کے اندر کیا جانا چاہیئے۔ قرآن کریم کے بغیر، قرآن کریم کی برکات کو چھوڑ کر قرآن کریم کے نور سے پیٹھ پھیرتے ہوئے قرآن کریم کو معزز نہ جان کر اپنے دلوں سے باہر پھینکتے ہوئے ہم خدا کی نگاہ میں کوئی عزت، کوئی رفعت، کوئی کامیابی، کوئی کامرانی اور کوئی فتح حاصل نہیں کر سکتے ...... اس لئے میں جماعت کے بھائیوں اور بہنوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ صرف احمدی کہلانا یا بیعت کر لینا کافی نہیں بلکہ آپ کا فرض ہے کہ قرآن کریم کی اور اسلام کی دنیا میں عزت قائم کریں اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو بلند کرنے والے ہوں لیکن یہ کام ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ جب تک کہ دل میں اس کی محبت نہ ہو، جب تک کہ قرآن پاک کا علم آپ کو حاصل نہ ہو۔ جب تک کہ آپ کما حقہٗ اس کو سمجھنے والے نہ ہوں اور جب تک ہمیشہ اس کے متعلق غور و فکر کرنے والے نہ ہوں۔

پس جب تک آپ قرآن کریم کی عزت کو دنیا میں قائم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بھی اور دنیا کی نگاہ میں بھی کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر آپ نے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کرنا ہے۔ اگر آپ نے اس غرض کو جس کے لئے یہ جماعت قائم کی گئی ہے حاصل کرنا ہے تو ضروری ہے کہ آپ قرآن کریم سے پیار کرنے والے ہوں اس طرح کہ اس کے تمام احکام پر عمل کرنے والے ہوں۔ قرآن کریم کی عزت کرنے والے ہوں۔ قرآن کریم کے نور سے خود بھی منور ہوں اور پھر اس نور کی دنیا میں اشاعت بھی کریں۔ خدا تعالیٰ ہمیں صحیح معنی میں احمدی بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔" (الفضل ۱۱ اگست ۶۶ ۱۹ء)

ہماری جماعت کے ہر فرد کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری جماعت کے قیام اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد دوبارہ احیاء اسلام ہے۔ اسی مقصد کے گرد اگرد ہماری جماعت کے تمام پروگرام چکر لگاتے ہیں اور احیاء اسلام کا مقصد قرآن کریم پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قرآن پڑھنے پڑھانے اور عمل کرنے کے لئے ہے ۔۔۔۔ یہی اور یہی ایک ذریعہ اسلام کے دوبارہ احیاء کا ہے۔ اپنی فانی اولاد سے محبت کرنے والو! اور خدا تعالیٰ سے ان کی زندگی چاہنے والو! کیا اللہ تعالیٰ کی اس یادگار (قرآن۔ ناقل) اور اس تحفہ کی روحانی زندگی کی کوشش میں حصہ نہ لوگے۔ ۔۔۔۔ تم اس کو زندہ کرو۔ وہ تم کو اور تمہاری نسلوں کو ہمیشہ کی زندگی بخشے گا۔ اٹھو کہ ابھی وقت ہے۔ دوڑو کہ خدا کی رحمت کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔"

(دیباچہ تفسیر کبیر جلد سوم صلے)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنی زندگی کے پروگراموں میں سب سے بڑھ کر اس امر کو مقدم کریں کہ ہم بھی قرآن کریم کے انوار سے منور ہوں اور پھر ساری دنیا کو ان سے منور کریں۔

وقفِ زندگی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں

(مکرم شیخ مبارک احمد صاحب قائد تربیت مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

قومی، جماعتی اور دینی اغراض و مقاصد کے لئے زندگی کا وقف کرنا از بس ضروری ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے جو مخصوص طور پر دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دیتا رہے۔ اگر ان اغراض و مقاصد کے لئے ہمہ وقتی کام کرنے والا گروہ نہ ہو تو ان اغراض و مقاصد کے حصول میں کامیابی ممکن نہیں۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حیاتِ طیبہ کا انسان حقیقی طور پر وارث نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایسا گروہ اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف نہ کرے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کردیں تاکہ وہ حیاتِ طیبہ کا وارث ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اس للّٰہی وقف کی طرف ایماء کرکے فرماتا ہے مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اس جگہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرو، غرض جو کچھ اس کے پاس ہے خدا ہی کے لئے وقف کرے اور دنیا اور اس کی ساری چیزیں اس کی خادم بنا دے۔"

(ملفوظات جلد دوم ص۹)

اس قسم کے وقف زندگی سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ انسان بیدست و پا ہوجاتا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ

جب انسان خدا کی خاطر نیک نیتی سے اعلےٰ مقاصد دینیہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے تو وہ پہلے سے بھی زیادہ روشن دماغ اور چابکدست ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"پس یاد رکھو کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ دین اور للّٰہی وقف انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے۔ سستی اور کسل اس کے پاس نہیں آتا۔" (ملفوظات جلد دوم صـ۹۲)

زندگی وقف کرنے والے کی تھوڑی کوشش اور ادنےٰ جدوجہد کو بھی خاص قبولیت حاصل ہوتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ زندگی وقف کرنے والا جب پوری مستعدی سے دینی فرائض اور قومی و جماعتی ضروریات کو للہیت کے ساتھ پورا کرنے کی سعی میں لگ جاتا ہے تو خدا تعالےٰ خود اس کا کارساز ہو جاتا ہے اور خدا کے لئے اس کے کاموں میں لگ جانے سے ایک ایسی تجارت کرتا ہے جو سراسر نفع مند ہوتی ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اسے اس کا اجر دیا جاتا ہے۔ اگر اس بابرکت سودا کے نفع سے انسان آگاہ ہو تو وقف زندگی میں وہ کوتاہی نہ کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کرے۔ میں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لئے وقف کر دی ہے اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دے دی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کر دیتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔ یاد رکھو یہ سودا خسارہ کا سودا نہیں ہے بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر ان کو اطلاع ملتی جو خدا کے لئے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے۔ کیا وہ اپنی زندگی کو کھوتا ہے؟ ہرگز نہیں فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اس للّٰہی وقف کا اجر ان کا رب دینے والا ہے۔" (ملفوظات جلد ۲ صـ۹۹)

صحابہ کرامؓ وقف زندگی کی اہمیت اور افادیت سے آشنا تھے اور خوب جانتے تھے کہ جہاں خدا کی خاطر وقف کرنے والا ہموم و غموم سے نجات پاتا ہے۔ وہاں جو لذت وقف کے بعد ملتی ہے اور روحانی و دائمی سرور نصیب ہوتا ہے وہ اس سے بھی خوب واقف تھے بلکہ اسے مجرب نسخہ خیال کرتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے اپنے ذاتی تجربہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وہ وقف ہر قسم کے ہموم و غموم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ جبکہ ہر ایک انسان بالطبع راحت اور آسائش چاہتا ہے اور ہموم و غموم اور کرب و افکار سے خواستگار نجات ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کو ایک مجرب نسخہ اس مرض کا پیش کیا جائے تو اس پر توجہ ہی نہ کرے۔ کیا للّٰہی وقف کا نسخہ ۱۳۰۰ برس سے مجرب ثابت نہیں ہوا۔ کیا صحابہ کرامؓ اسی وقف کی وجہ سے حیات طیبہ کے وارث اور ابدی زندگی کے وارث نہیں ٹھہرے۔ پھر اب کونسی وجہ ہے کہ اس نسخہ کی تاثیر سے فائدہ اٹھانے میں دریغ کیا جائے۔ بات یہی ہے کہ لوگ اس حقیقت سے ناآشنا اور اس لذت سے جو اس وقف کے بعد ملتی ہے ناواقف محض ہیں ورنہ اگر ایک شمہ بھی اس لذت اور سرور سے ان کو مل جائے تو بے انتہا تمناؤں کے ساتھ وہ اس میدان میں آئیں۔

میں خود اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ کے فضل اور فیض سے میں نے اس ملامت اور لذت سے حظ اٹھایا ہے۔ یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کر پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جائے۔" (ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۱۰۱)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شوق جو وقف کی لذت سے پیدا ہوا اس حد تک جا پہنچا کہ اگر یہ بتا دیا جائے کہ وقف کا کوئی ثواب نہیں اور دکھ و تکلیف کے سوا کچھ نہیں۔ تب بھی خدمت دین کے لئے زندگی کے وقف کرنے کا جذبہ کم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جماعت کو تاکیدی طور پر فرماتے ہیں کہ وہ اس لذت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"میں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رک نہیں سکتا۔ اس لئے میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچا دوں، آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اسے سنے یا نہ سنے کہ اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ یا ابدی زندگی کا طلب گار ہے۔ تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جائے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی میری موت میری قربانیاں میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس کی روح بول اٹھے۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ جب تک

انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا۔ خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں۔ پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو پسند کرتے اور خدا کے لئے زندگی کا وقف کرنا عزیز رکھتے ہیں۔" (ملفوظات جلد ۲ ص۱۰۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وقف زندگی کی لذت اور سرور سے جس انداز سے اپنی جماعت کو روشناس کرایا اس کا جماعت پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ جب جماعت کا کام ترقی کرنے لگا اور تبلیغ اسلام کے کام کے لئے واقفین زندگی اور واعظین کی ضرورت کا احساس ہوا اور اندرون ملک اور بیرون ملک حق و صداقت کی تبلیغ کے کام کو وسعت دینے کے لئے حضور علیہ السلام کو تحریک ہوئی تو آپ نے جماعت کے سامنے ستمبر ۱۹۰۷ء میں وقف زندگی کی پُر زور تحریک فرمائی۔ اس تحریک پر قادیان میں مقیم نوجوانوں کے علاوہ بعض اور دوستوں نے بھی زندگی وقف کرنے کی درخواستیں حضور کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت اقدس کی ڈاک کی خدمت ان دنوں حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپرد تھی۔ اس لئے حضور اقدسؑ نے حضرت مفتی صاحبؓ ہی کو ہدایت فرمائی کہ ایسے واقفین کی فہرست بنائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس غرض کے لئے ایک رجسٹر کھول دیا۔ ابتداً جن اصحاب نے زندگی وقف کی ان کے نام یہ ہیں

"شیخ محمد تیمور صاحب طالب علم علی گڑھ کالج (ان کی درخواست پر حضور نے لکھا "بعد پورا کرنے تعلیم بی۔ اے اس کام پر لگیں") ۲۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال (ان کی درخواست پر حضورؑ نے تحریر فرمایا "منظور") ۳۔ مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب (ان کی درخواست پر حضورؑ نے لکھا "آپ کو اس کام کے لائق سمجھتا ہوں") ۴۔ میاں محمد حسن صاحب دفتر رسالہ ریویو آف ریلیجنز (ان کی درخواست حضورؑ نے لکھا "قبول ہے") ۵۔ مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر (حضور نے ان کی درخواست پر تحریر فرمایا "منظور") ۶۔ صوفی غلام محمد صاحب طالب علم بی۔ اے (حضور نے ان کی درخواست پر لکھا "بی۔ اے کا نتیجہ نکلنے کے بعد اس کام کے واسطے تیار ہو جائیں") ۷۔ مولوی محمد الدین صاحب طالب علم علی گڑھ کالج (ان کی درخواست پر حضور نے لکھا "نتیجہ کے بعد اس خدمت پر لگ جائیں") ۸۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب طالب علم مدرسہ احمدیہ (ان کی درخواست پر حضور نے لکھا "سلسلہ کی پوری واقفیت پیدا کر لیں") ۹۔ اکبر شاہ خان صاحب نائب سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول (ان کی درخواست پر حضور نے لکھا "وقت پر آپ کو یاد کر لیا جائے گا") ۱۰۔ مولوی عظیم اللہ صاحب ساکن نابھہ (ان کی درخواست پر حضور نے تحریر فرمایا

وقت پر آپ کو یاد کیا جائے گا") مولوی فضل دین صاحب ۱۲۔ خواجہ عبدالرحمن صاحب ۱۳۔ قاضی محمد عبداللہ صاحب (ان کی درخواست پر حضور نے تحریر فرمایا "خط کے مضمون سے آگہی ہوئی۔ امید ہے آپ کو انتظام کے وقت یاد کروں گا اور مناسب جگہ میں خدمت دین کے لئے بھیجوں گا مناسب ہے اپنا نام مفتی صاحب کے رجسٹر میں درج کرا دیں۔ والسلام مرزا غلام احمد")

حضرت اقدسؑ نے ان درخواستوں پر اظہارِ خوشنودی فرمایا اور ۲۵ اور ۲۹ ستمبر ۱۹۰۷ء کو اس سلسلہ میں نہایت قیمتی نصائح فرمائیں جو مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حضور کی سکیم یہ تھی کہ ابتدا میں ۱۲ واعظین کا انتخاب کیا جائے جو قریبی اضلاع میں متعین ہوں اور دو ایک ماہ تبلیغ میں باہر گزار دیں۔ اور پھر دس پندرہ روز کے لئے مرکز میں آجایا کریں۔ کچھ لٹریچر بھی ان کے پاس موجود ہو تا جہاں مناسب سمجھیں وہاں تقسیم کریں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "وقفِ زندگی" کی تحریک کا اعلان کرنے کے بعد میر حامد شاہ صاحب سے اس کی شرائط لکھوائیں اور کچھ اصلاح کے ساتھ ان کو پسند فرمایا۔ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ "میں کوئی معاوضہ نہ لوں گا چاہے مجھے درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرنا پڑے میں گزارہ کروں گا اور تبلیغ کروں گا۔"

ایک ضروری ہدایت حضورؑ نے یہ دی کہ واقفین کو ہر ہفتہ باقاعدگی سے اپنی رپورٹ بھجوانی ہوگی۔

تحریک "وقف زندگی" کی بنیاد گو حضرت اقدس علیہ السلام ہی کے ہاتھ سے رکھی گئی۔ مگر حضورؑ کی زندگی میں اپنے نام پیش کرنے والے واقفین کو اندرون ملک یا بیرون ملک میں بغرض تبلیغ مقرر کرنے کی نوبت نہیں آئی تاکہ حضور کے منشاء مبارک کی تکمیل خلافت ثانیہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اب اس تحریک کے ماتحت سلسلہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور تبلیغ اسلام کے کام میں بے پناہ وسعت کے پیش نظر قرآن کریم کی اشاعت چاردانگ عالم میں کرنے کی عظیم مہم کو سَر کرنے کے لئے مختلف محاذوں پر واقفین خلافتِ ثالثہ کے بابرکت دور میں بھجوائے جا رہے ہیں۔ وقفِ عارضی کی سکیم اس مقصد کے لئے جاری کی گئی۔ ڈاکٹروں اور اساتذہ کو وقف کے لئے جو دعوت دی جا رہی ہے وہ بھی اسی غرض کے لئے ہے۔

یہ اللہ تعالےٰ کا احسان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کے مطابق آپ کے خلفائے راشدین وقف کی تحریک کو ہر طرح سے زندہ رکھنے کی کامیاب سعی کر رہے ہیں۔ یہ وقف زندگی کی ہی بابرکت تحریک ہے کہ جس کے فوائد جماعتی سطح پر ہم سب کے لئے لذت و سرور کا موجب بن رہے ہیں۔

خدا تعالیٰ مومنوں کا دفاع خود کرتا ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں مسلمانوں کو حملہ آور کفار کا پوری قوت سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی انہیں اپنے فضلِ خاص کے نتیجہ میں اس امر کا بھی یقین دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ حملہ آور کفار کا مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کو صرف ان کی اپنی کوشش اور جدوجہد پہ ہی نہیں رہنے دے گا۔ بلکہ دشمن کے خلاف ان کا دفاع خود کرے گا وہ تو تعمیل حکم بناء پر دشمن کا مقابلہ کر کے اپنے آپ کو حصولِ ثواب کا مستحق بنا رہے ہوں گے۔ جہاں تک دشمن کے خلاف دفاع کرنے اور اس کے حملوں کو ناکام بنانے کا تعلق ہے یہ کام خدا خود سرانجام دے گا۔ ظاہر ہے کہ جب دفاع کا ذمہ خدا خود اُٹھا لے تو پھر ایسے خوش نصیب مسلمانوں کا فتح یاب ہونا یقینی ہے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی مسلمان قوم کا دفاع خدا خود کر رہا ہو اور پھر وہ شکست کھا جائے۔

وہ کونسی شرائط ہیں جن کے پورا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر حملہ کرنے والے دشمن کے خلاف ان کے دفاع کا خود ضامن بن جاتا ہے؟ یہ ایک نہایت ہی اہم سوال ہے کیونکہ مسلمانوں کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ ان شرائط سے بخوبی آگاہ ہو کر اور انہیں کما حقہٗ پورا کر کے اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ جب بھی کوئی دشمن ان پر حملہ آور ہو تو خدا خود ان کے دفاع کے لئے آسمان سے زمین پر اُتر آئے۔ یہ اتنی اہم بات ہے۔ کہ مسلمان اپنے آپ کو اس قابل بنا کر بڑے سے بڑے دشمن پر فتح پا سکتے ہیں کیونکہ حملہ آور دشمن تعداد میں خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اور اس کے پاس سامان حرب کی کتنی ہی بہتات کیوں نہ ہو وہ مسلمانوں کا تو مقابلہ کر سکتا ہے خدا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں کہ مسلمانوں کی چھوٹی سی نہتی قوم کا دفاع خدا خود کر رہا ہو مہیب سے مہیب غنیم ڈیرے ہوئے اور شکست کھائے بغیر

نہیں رہ سکتا۔

سو خدا تعالیٰ مسلمانوں کو کس صورت اور کس حالت میں دفاع کی یہ ضمانت دیتا ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ۝
(سورۃ الحج آیت ۳۹)

اللہ یقیناً ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں (اُن کے دشمنوں کے خلاف ان کا) دفاع کرتا رہے گا (لیکن یاد رکھو) اللہ ہر خیانت کرنے والے اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے خلاف مومنوں کا خود دفاع کرتا ہے انہیں چاہیئے کہ وہ دو خلق اپنے اندر پیدا کریں اوّل یہ کہ وہ خیانت کرنے والے نہ ہوں دوم یہ کہ وہ ناشکر گزار نہ ہوں۔ یعنی امانت و دیانت اور شکر گزاری کے اوصاف سے پوری طرح متصف ہوں۔ لیکن ان اوصاف سے کما حقہ متصف ہونے کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہاں خیانت اور ناشکری سے مراد کیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بسا اوقات لوگ خیانت اور ناشکری کے صحیح مفہوم سے بے خبر ہونے کے باعث اپنی جگہ یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم نہ خائن ہیں اور نہ ہی ناشکر گزار۔ حالانکہ اپنی اس خوش فہمی کے باوجود عنداللہ نہ وہ پورے امانت دار ہوتے ہیں اور نہ ہی شکر گزار۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں خیانت اور ناشکری سے بچنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ خیانت اور ناشکری کا اصل مفہوم کیا ہے اور اس میں کیا کیا باتیں شامل ہیں۔ اب جہاں تک خیانت کا تعلق ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَلَا تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
(الانفال ۲۸)

اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ آپس میں اپنی امانتوں کی خیانت کرو اور تم تو جانتے بوجھتے ہو (کہ خیانت کتنی بری چیز ہے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ خیانت نہ کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے مراد ہر ایک کی اور ہر قسم کی خیانت ہے اسی لئے فرمایا کہ تم آپس میں ہی ایک دوسرے کے ساتھ خیانت سے پیش نہ آؤ بلکہ اللہ اور رسول کی بھی خیانت نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ خیانت سے صرف یہی مراد نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی کے پاس امانت رکھوائے اور وہ اسے اپنے استعمال میں لا کر واپس کرنے سے

انکار کر دے یا کچھ حصہ تو واپس کر دے اور کچھ حصہ عمداً ادا نہ کرے بلکہ خیانت کا کوئی اَور بلکہ وسیع تر مفہوم بھی ہے جس کی رُو سے اللہ اور رسولؐ کی خیانت کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ وہ وسیع تر مفہوم یہ ہے کہ ازروئے شریعت ہر کسی کا جو حق مقرر ہے وہ ایک امانت ہے اور اگر وہ حق ادا نہ کیا جائے تو یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہو گی اور وہ بھی بہت خطرناک قسم کی خیانت۔ ان معنوں کی رُو سے اللہ اور رسولؐ کی خیانت نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے جو حقوق تم پر ہیں ان کی ادائیگی سے غافل ہو کر خیانت کے مرتکب نہ ہو۔ اب اللہ کے حقوق یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتوں اور صفات کا بدل و جان اقرار کر کے اس کی عبادت کی جائے اور اس کے تمام احکام بجا لا کر اس کی پوری پوری اطاعت کی جائے۔ اور اس کی رضا کی راہوں پر چل کر اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ ادھر اللہ کی اطاعت میں رسولؐ کی اطاعت بھی شامل ہے کیونکہ رسول جو کچھ کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی کہتا ہے۔ پس اللہ اور رسولؐ کی خیانت نہ کرنے سے مراد یہ ہوئی کہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں ذرا بھر بھی تخلّف سے کام نہ لیا جائے۔ اسی طرح باہم ایک دوسرے کی امانتوں میں خیانت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ایک دوسرے پر جو حقوق مقرر کئے ہیں انہیں پوری مستعدی سے بجا لایا جائے اور اس بات کا التزام کیا جائے کہ کسی کے حقوق تلف نہ ہونے پائیں سو گویا اللہ اور رسولؐ کی خیانت نہ کرنے اور آپس میں ایک دوسرے کی خیانت نہ کرنے کا حکم حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کما حقہٗ ادائیگی پر حاوی ہے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی کماحقہٗ ادائیگی کا التزام خلاصہ ہے سارے دین کا۔ مراد یہ ہے کہ مسلمان سچے، پکے اور مومن مسلمان بن کر کامل دینداری اور تقویٰ کی زندگی بسر کریں اور اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے دشمنوں کے خلاف خدا خود ان کا دفاع کرے گا اور بڑے سے بڑا دشمن بھی انہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ اب بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ اور فی الحقیقت ہو رہا ہے۔

جملہ مجالس انصار اللہ کے زعماء و اراکین کے لئے ضروری ہدایت

پاکستان کے موجودہ ہنگامی حالات اور اہم ملکی مفاد کے پیش نظر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گزشتہ دو خطبات میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُسکی نصرت حاصل کرنے کے لئے مخصوص طور پر بھرپور دعاؤں کی طرف توجہ دلائی ہے اور فرمایا ہے " ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اپنے ایمان پختہ کریں۔ اعمال صالحہ بجا لائیں اور دعاؤں میں لگے رہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام برکات کا وارث

بنائے جن کا وعدہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی امّت کو دیا گیا ہے" حضور ایّدہ اللہ کے اس اہم ضروری اور بروقت ارشاد کی تعمیل میں جملہ زعماء و اراکین مجالس انصاراللہ اپنے اپنے مقامات میں جہاں حضور ایدہ اللہ کے خطبہ کی اشاعت کی طرف توجہ دیں۔ وہاں ایمان کی پختگی، اعمال صالحہ کی بجا آوری اور دعاؤں کی طرف پوری توجہ دیں اور احباب کو توجہ دلاتے رہیں۔ تاجلد سے جلد اللہ تعالےٰ کی خاص نصرت و تائید سے اللہ تعالےٰ اپنی معجز نمائی کا حسین جلوہ پاکستان کے لئے ظاہر کرے۔ (قائد تربیت مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

انصاراللہ کے چندہ کی نئی شرح

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد

تمام مجالس انصاراللہ مطلع رہیں کہ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایّدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز نے انصاراللہ کی موجودہ شرح چندہ نصف پیسہ فی روپیہ سے بڑھا کر ایک پیسہ فی روپیہ مقرر فرمادی ہے حضور نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹ ر نبوّت/نومبر ۱۳۵۰ ہش میں ارشاد فرمایا کہ ربّ سے تعلق کی پختگی صرف جوانی کی عمر سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ انصاراللہ کی عمر سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ خلیفہ وقت کا کام سہارا دینا بھی ہے۔ اس لئے میں نے سہارا دے دیا اور میں نے انصاراللہ کے چندہ کی شرح نصف پیسہ سے بڑھا کر پیسہ کر دی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو اور مجھے سب کو توفیق دے۔ آخر میں حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بڑے فضل کر رہا ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ انصاراللہ والے کیوں مایوس ہو جائیں کہ اللہ تعالےٰ ہم پر فضل نہیں کرے گا۔ دھیلے سے پیسہ کریں۔ اللہ تعالےٰ آپ کے مال میں بھی برکت دے گا۔

تمام مجالس انصاراللہ کو بجٹ بھجوائے جا رہے ہیں۔ انصاراللہ کا مالی سال یکم صلح/جنوری سے شروع ہوتا ہے اس لئے تمام مجالس کی طرف سے حضور کے ارشاد کی تعمیل میں نئی شرح کے ساتھ بجٹ تشخیص ہو کر ماہ فتح/دسمبر ۱۳۵۰ ہش/۱۹۷۱ء کے آخر تک مرکز میں پہنچ جانے چاہئیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(قائد مال مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

مجالس انصاراللہ توجہ فرماویں

گذشتہ سالوں کے فیصلہ جات شوریٰ انصاراللہ کی روشنی میں انصاراللہ کے دستور اساسی میں جو ترامیم و اضافہ جات ہوئے ان کے مطابق مسودہ میں تبدیلی کر کے سال رواں میں دستور اساسی کا نیا ایڈیشن طبع کروا لیا گیا ہے جو اس وقت دفتر مرکزیہ میں موجود ہے جن مجالس کے پاس اس نئے طبع شدہ دستور کی کاپی نہ ہو وہ دفتر ہذا کو لکھ کر منگوا لیں۔

(قائد عمومی مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

صحابہ کرامؓ کا قابل تقلید نمونہ

انہوں نے شہادت کو ایک شیریں پھل کی طرح قبول کیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''ہر چیز کی اصلیت امتحان کے وقت ظاہر ہوتی ہے - اصحابؓ رسول اللہؐ سب کچھ رکھتے تھے ، زن و فرزند اور اموال و اقارب سب کچھ ان کے موجود تھے ، عزتیں اور کاروبار بھی رکھتے تھے مگر انہوں نے اس طرح شہادت کو قبول کیا کہ گویا ایک شیریں پھل انہیں میسر آ گیا - وہ اللہ تعالی کے لئے موت کو پسند کرتے تھے - ایک طرف تعہد حقوق عیال و اطفال میں کمال دکھایا اور دوسری طرف ایسا انقطاع کہ گویا وہ بالکل کورے تھے ، یہاں تک کہ اللہ تعالی کیلئے موت کو پسند کرتے ، کبھی نامردی نہ دکھاتے بلکہ آگے ہی قدم رکھتے - ایسی محبت سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جان دیتے تھے کہ بیوی بچوں کو بلا کی طرح سمجھتے تھے - اگر بیوی بچے مزاحم ہوں تو ان کو دشمن سمجھتے تھے اور یہی معنے انقطاع کے ہیں - آجکل کے رہبانوں کی طرح نہیں کہ انسان بالکل بیوی بچوں سے تعلق چھوڑ دے اور سارے جہان سے ایک طرف ہو جائے - آسمان پر رہبانیت کے انقطاع کی کچھ قدر نہیں - صوفی منقطعین بھی نمونے دکھاتے رہے ہیں کہ بازن و فرزند اور با خدا رہے ہیں - پھر جب وقت آیا تو زن و فرزند کو چھوڑ کر اللہ تعالی کی طرف ہو گئے - وہ لوگ اللہ تعالی کی طرف منقطع ہوتے ہیں - حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال دیکھئے کہ انقطاع کا کیسا نمونہ ان سے ظاہر ہؤا - جو اپنے آپ کو اللہ تعالی کی راہ مین ضائع کرنا چاہتا ہے اللہ تعالی اس کو ضائع نہیں کرتا اور اس کا نشان دنیا سے معدوم نہیں کرتا ''

(البدر یکم جولائی ۱۹۰۳ء)

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ مین طبع ہؤا